11

قربانی کرنے والوں کے متعلق جماعت کی ذمہ داری

(فرمودہ ۲۷ مارچ ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں شہیدان کابل کے متعلق ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا تھا کہ دوسرے لوگوں نے ان مظلوموں کی مظلومیت پر کچھ کیا یا نہ کیا۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ ہم نے کیا کیا اور مرکز میں ان کے متعلق کیا کوشش کی گئی اور سلسلے کی طرف سے اس واقعہ پر کیا کارروائی کی گئی۔ لیکن قبل اس کے اس کے متعلق میں کچھ بیان کرتا۔ اس مضمون کی تمہید ہی اتنی لمبی ہو گئی کہ وقت ختم ہو گیا اور اصل بات بیان کرنے سے رہ گئی۔ آج میں اس حد تک کہ جس سے سلسلہ کے مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اپنے ان بھائیوں کے مفاد کو بھی کوئی صدمہ نہ پہنچے جن پر افغانستان میں ہر طرح ظلم کیا جا رہا ہے اور وہ ہر طرح ستائے جا رہے ہیں۔ یعنی میں سلسلہ کے مفاد کو نیز اپنے ان مظلوم بھائیوں کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کچھ بیان کر سکتا ہوں۔ اختصار کے طور پر بیان کرتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ مرکز اس معاملہ میں کیا کر سکتا ہے اور اس نے کیا کیا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک چیز گو وہ بظاہر معمولی بھی نظر آتی ہو۔ لیکن ضرورت کے وقت اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ ہماری کوشش اور سعی کے سلسلہ میں جو ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے کی ہے۔ سب سے پہلی چیز جس کو معمولی سمجھا گیا اور جو عام لوگوں کی نظروں میں ناواقفیت کی وجہ سے بے فائدہ قرار دی گئی وہ صدائے احتجاج ہے۔ جو مرکزی جماعت قادیان اور دیگر بیرونی احمدی جماعتوں کی طرف سے بلند کی جا رہی ہے۔ اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں اور ان کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ ہمارا پنی جگہ اپنی جماعتوں میں صدائے احتجاج بلند کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور اس سے ہمارے ان مظلوم بھائیوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یا ہماری اس کوشش کا افغانی

گورنمنٹ پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ بے شک بظاہر ہمارا اپنی جگہ صدائے احتجاج بلند کرنا افغانی گورنمنٹ پر کوئی اثر نہیں رکھتا اور نہ اس سے ہمارے ان مظلوم بھائیوں کو براہ راست کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ نہ تو دنیا میں ہر ایک چیز بلاواسطہ اثر کرتی ہے اور نہ ہی ہر ایک چیز بالواسطہ اپنا اثر ڈالتی ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو اپنے اثر کے لئے اپنے ساتھ کوئی ذرائع نہیں رکھتیں بلکہ بلاواسطہ اثر کرتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بلاواسطہ کوئی اثر نہیں کرتیں۔ بلکہ ان کا فائدہ تب ہی ظاہر ہوتا ہے اور ان کا استعمال تبھی مؤثر ہو سکتا ہے جبکہ وہ بالواسطہ ہو۔ اب میں بتلاتا ہوں کہ ان ذرائع میں سے سب سے مقدم ذریعہ صدائے احتجاج ہی ہے۔ جو جماعت احمدیہ کی طرف بلند کی گئی اور اس کے تین فائدے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ براہ راست اس کا گورنمنٹ کابل پر کوئی ایسا اثر نہیں ہو سکتا جس سے ہمارے مظلوم بھائیوں کو کچھ فائدہ پہنچ سکے۔ ہماری یہ آواز ایک محدود آواز ہے جس کا براہ راست کوئی بڑا اثر نہیں۔ لیکن جس طرح بعض لوگوں نے اس کو بالکل بے فائدہ سمجھا ہے وہ ایسی بے فائدہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اندر فوائد ہیں جو ظاہر ہوئے بھی ہیں اور خدا کے فضل سے امید سے بہت بڑھ کر ظاہر ہوں گے بھی۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ کسی زندہ قوم میں اس کی زندگی کی طاقت کو قائم رکھنے اور اس کے احساسات اور عمدہ جذبات کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بار بار اور متواتر اس کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں اس کے سامنے پیش کی جائیں۔ اس وقت سے کہ ہم نے مولوی نعمت اللہ صاحب کی شہادت پر جس قدر صدائے احتجاج بلند کی اس کا یہ اثر ہوا ہے کہ نہ صرف ہماری جماعت کے لوگوں کے احساسات اور جذبات میں نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے بلکہ بعض وہ لوگ جو ہمارے کیا اسلام کے بھی سخت دشمن ہیں۔ وہ بھی ہمارے اس صدائے احتجاج بلند کرنے سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور چونکہ بعض طبیعتیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ان کے احساسات اور جذبات سخت سے سخت واقعہ پر بھی جوش میں نہیں آتے اور ایسے واقعہ سے جو ہوا اور گزر گیا ایسی متاثر نہیں ہوتیں کہ ان کے اندر کوئی خاص جوش اور احساس پیدا ہو۔ اس لئے اس قسم کی طبیعتوں کے اندر جوش پیدا کرنے اور ان کے احساسات کو ابھارنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کے سامنے متواتر اور بار بار اس واقعہ کو پیش کیا جائے اور ان کا فرض اور ان کی ذمہ داری ان کو یاد دلائی جائے۔ جب بار بار وہ واقعہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو پھر ان کے اندر بھی ایک جوش اور احساس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بھی اس واقعہ سے متاثر ہونے لگ جاتی

ہیں۔

مجھے اپنے بچپن کی ایک مثال یاد ہے۔ اس وقت تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی اور میں بڑا تعجب کرتا تھا اور بہت سوچتا تھا مگر کچھ سمجھ نہیں آتی تھی۔ آخر خدا کے فضل سے وہ بات حل ہو گئی اور میں سمجھ گیا کہ اس کے اندر کیا حقیقت تھی۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ مجھے بچپن میں ہوائی بندوق کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ میں بندوق لے کر ایک گاؤں کی طرف گیا جس کا نام شاید ناتھ پور ہے۔ ایک دو اور لڑکے بھی میرے ساتھ تھے۔ جب میں وہاں پہنچا چند نوجوان سکھ اس گاؤں کے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے آؤ ہم تم کو شکار بتلاتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں گاؤں کے قریب لے گئے اور خود انہوں نے ہمیں شکار بتایا اور جگہ بہ جگہ ہمارے ساتھ پھرتے رہے۔ اور جس طرح ہم اس شکار میں لذت محسوس کر رہے تھے اسی طرح وہ بھی لذت محسوس کر رہے تھے۔ اور جس طرح ہم شوق سے شکار کی تلاش میں پھر رہے تھے ہمارے ساتھ وہ بھی اسی طرح شوق کے ساتھ پھر رہے تھے۔ کہ ایک جگہ ایک درخت پر فاختہ نظر آئی۔ میں نے نشانہ لگا کر بندوق چلائی اور وہ گر گئی۔ اس سے بھی جس طرح ہم نے لذت اور خوشی محسوس کی اسی طرح انہوں نے خوشی کا اظہار کیا کہ اتنے میں گاؤں کی ایک بڑھیا وہاں سے گزری۔ اس نے جو فاختہ کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو دیکھتے ہی شور مچانا شروع کر دیا اور ان نوجوان سکھوں سے کہا تم کو شرم نہیں آتی۔ تم ایسے بے غیرت ہو گئے ہو کہ لوگ دوسرے گاؤں سے آکر تمہارے گاؤں میں جیوہتیا کرتے ہیں اور تم روکتے نہیں۔ میں نے دیکھا وہ لڑکے باوجود اس کے کہ بڑے شوق سے ہمارے ساتھ شکار میں حصہ لے رہے تھے اور ہماری طرح ہی شکار میں لذت حاصل کر رہے تھے لیکن جونہی انہوں نے اس بڑھیا کی بات کو سنا ان کے چہرے بدل گئے۔ اور ہمیں کہنے لگے۔ کیوں جی کیوں تم یہاں شکار کرتے ہو ہم نہیں کرنے دیں گے۔ میرے لئے اس وقت ان کا یہ کہنا نہایت ہی حیرت انگیز تھا کہ یہ کیا بات ہے۔ ابھی تو یہ خود ہمیں بلا کر لائے ہیں اور بڑے شوق کے ساتھ شکار کی تلاش میں ہمارے ساتھ پھرتے رہے ہیں اور جس طرح ہم خوشی اور لذت محسوس کر رہے تھے۔ اسی طرح ان کو بھی ہمارے شکار کرنے میں خوشی اور لذت محسوس ہو رہی تھی اور اب یک دم ہی یہ ایسے بدل گئے ہیں کہ ان کی پہلی حالت کا پتہ ہی نہیں لگتا۔ بلکہ ان کے چہروں کا رنگ بھی بدل گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے اندر اس وقت حقیقی جوش پیدا ہو گیا تھا نہ کہ بناوٹ سے وہ ایسا کہنے لگے۔ یہ جوش پہلے ان کے اندر بالکل نہ تھا کیونکہ ہماری طرح ہی وہ بھی شکار میں لذت

محسوس کر رہے تھے۔ لیکن عورت کے غیرت دلانے پر ان کے مردہ احساسات فوراً زندہ ہو گئے۔ میں نے دیکھا جب انہوں نے اس بڑھیا کی آواز سنی تو فوراً جوش میں بھر گئے اور ایسا معلوم ہو تا تھا کہ وہ اپنا کوئی فرض اور ذمہ داری بھلائے بیٹھے تھے اور اس بات کے محتاج تھے کہ کوئی ان کے سامنے ان کی ذمہ داری پیش کرے۔ جب عورت نے انہیں غیرت دلائی تو وہ فرض انہیں یاد آگیا اور اس میں کیا شک ہے کہ ان کے عقیدہ کے لحاظ سے ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ ہمیں شکار سے روکتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ جیوہتیا ہے۔ مگر اس کا پہلے ان کے دل پر کوئی اثر نہ تھا۔ لیکن جب بڑھیا نے ان کو اس فاختہ کے تڑپنے کا نظارہ پیش کر کے ان کی ذمہ داری یاد دلائی تو پھر ان کے جوش کی کوئی حد نہ رہی۔ 6/9

پس اکثر دفعہ خواہ کتنا ہی کوئی اہم واقعہ ہو براہ راست اس کا بعض طبیعتوں پر کچھ اثر نہیں ہو تا۔ لیکن بالواسطہ اس کا بہت بڑا اثر ہو تا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کابل کے واقعات کے متعلق ہمارا پروٹسٹ اور ہماری طرف سے صدائے احتجاج بلند کرنا۔ براہ راست گورنمنٹ کابل پر اسکا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان واقعات کو دہرانا اور ان کا بار بار تکرار کرنا علاوہ دیگر قوموں کو ان کے انسانی فرض یاد دلانے کے' خصوصیت کے ساتھ احمدیوں کو ان کی ذمہ داری اور ان کا فرض یاد دلاتا ہے۔ اور اس سے ان کے اندر زندگی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ بہت سے دلوں میں جب احساسات خود بخود کسی واقعہ سے پیدا نہیں ہوتے تو دوسرے لوگوں سے جن کے قلوب زندہ ہوتے ہیں ان واقعات کو سن کر ان کے اندر بھی زندگی کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر جس طرح زندہ دل لوگوں کے اندر اس واقعہ کا خاص جوش اور احساس ہو تا ہے اسی طرح دوسروں کے اندر بھی خاص جوش اور احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گو ہماری اس صدائے احتجاج کا براہ راست حکومت کابل پر کوئی اثر نہ ہو لیکن بالواسطہ یقیناً اس کا بہت بڑا اثر ہو سکتا ہے۔

ہم لوگ جن کے ساتھ یہ واقعات گزرے ہیں۔ اگر ہم بھی خاموش بیٹھے رہتے تو ہمارے گرد و پیش رہنے والی قوموں کے اندر بھی ان واقعات کا احساس پیدا نہ ہو تا۔ کیونکہ دوسروں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جس قوم کے افراد کے ساتھ یہ واقعات گزرے ہیں وہ جب حکومت کابل کے ان افعال پر کسی قسم کا اظہار نفرت نہیں کرتی تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ کچھ کہیں۔ ان سے ہماری صدائے احتجاج بلند کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے اندر دوسروں کی آواز سن کر جوش اور احساس پیدا ہو تا ہے ان کے مردہ دلوں کے اندر بھی زندگی پیدا ہو

رہی ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم واقعات کو بار بار دھرائیں اور ان کو زندہ اور تازہ رکھیں۔ پھر قومی زندگی کے قیام کا بھی یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔

شیعوں کو ہی دیکھ لو وہ ہر سال اس طرح روتے اور پیٹتے اور طرح طرح کی حرکات کرتے ہیں کہ جو بالکل مضحکہ خیز معلوم دیتی ہیں۔ ایک واقعہ جس پر تیرہ سو سال گزر گئے ہیں مگر اتنے عرصہ بعد بھی بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور معزز لوگ ننگے پاؤں اور ننگے سر گھروں سے نکلتے اور اس طرح روتے پیٹتے ہیں جیسا کہ ابھی تازہ واقعہ ہوا ہے۔ وہ کاغذوں کی قبر بناتے اور دلدل نکالتے ہیں۔ حالانکہ ممکن ہے جب سے اس گھوڑے کو دلدل قرار دیا گیا ہو اس کے بعد تو نہ سہی مگر اس سے پہلے کئی اوباش آدمی بھی اس پر سوار ہوتے رہے ہوں گے۔ اس کو آگے آگے لئے ہوئے کالے کالے رومال ہلاتے جاتے ہیں اور آنسو بہاتے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو آنسو بہانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ بغیر اس کے وہ مومن نہیں کہلا سکتے۔ اور بعض چند پیسوں اور بعض پلاؤ کی ایک رکابی پر روتے پیٹتے اور زخموں سے خون بہاتے ہیں مگر ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو فی الواقعہ ان گزرے ہوئے واقعات کی یاد سے درد محسوس کر کے رو رہے ہوتے ہیں۔ بے شک یہ واقعات اس قسم کے ہیں کہ اگر سنجیدہ پہلو سے ان پر غور کیا جائے تو اس قسم کی حرکات کے مرتکب لوگ ایک مضحکہ نظر آئیں گے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان کی یہی حرکات ہیں۔ جن کی وجہ سے ہر سال سینکڑوں لوگ شیعہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی یہ حرکات ہی ہیں۔ جنہوں نے شیعیت کو قائم رکھا ہوا ہے۔ اگر چند سال بھی وہ ان حرکات کو ترک کر دیں تو شیعہ مذہب کا نام و شان نہ رہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اور کوئی بات ان میں ایسی نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کو قائم رکھ سکیں۔ اس لئے ان کو لوگوں کی ہنسی اور مضحکہ کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنی قومی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے حضرت امام حسین کے واقعات کو تازہ اور زندہ رکھتے ہیں۔ تو واقعات کا تکرار ایسی چیز ہے جس سے مردہ احساسات زندہ ہو جاتے اور قوم میں زندگی کی روح قائم رہتی ہے۔

دوسرا فائدہ ہماری صدائے احتجاج بلند کرنے کا یہ بھی ہے کہ گو ان لوگوں پر جو ہمارے بھائیوں پر ظلم و ستم کر رہے ہیں اس کا کوئی اثر نہ ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان خبروں کے پہنچنے پر ہمارے ان مظلوم بھائیوں کے دل ضرور بڑھ جاتے ہوں گے اور وہ اس بات سے ضرور خوشی حاصل کرتے ہوں گے کہ ان کے دوسرے بھائیوں کو ان کی فکر ہے اور وہ ان سے دلی ہمدردی رکھتے ہیں۔ گو وہ اپنی مجبوری سے کچھ کر نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی حکومت نہیں، طاقت نہیں۔

مگر ان کے دل میں ہماری ہمدردی ہے اور ہمارے دکھ کو وہ محسوس کرتے ہیں۔ اس سے بھی ایک مصیبت زدہ انسان کا حوصلہ بہت کچھ بڑھ جاتا ہے۔ ہزارہا واقعات ایسے ہیں کہ جن کو دین کے لئے یا عزت کے لئے یا ملک اور قوم کے لئے قربانیوں کے مواقع پیش آئے ہیں۔ ان کی ہمتیں محض اس وجہ سے دو چند ہو گئیں کہ ان کی مصیبت میں ان کے رشتہ داروں یا ان کی قوم یا ملک کو ان سے ہمدردی تھی۔

آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک عورت[1] نے اپنے بیٹے کو ایک جنگ کے موقع پر رخصت کرتے وقت کہا۔ دیکھو تم چھوٹے تھے جب تمہارا باپ فوت ہو گیا۔ میں نے اپنی عصمت کی حفاظت کر کے تمہاری پرورش کی اور تمہارے خاندان کی عزت کو قائم رکھا جو کام تمہارے باپ کا تھا۔ اس کے بعد وہ میں نے کیا۔ تم کو پالا پوسا اور تمہاری پرورش کی اگر تم بغیر فتح حاصل کئے میرے پاس واپس آگئے تو یاد رکھو جو حقوق میرے تم پر ہیں وہ ہرگز معاف نہ کروں گی[2]۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہادر ماں باپ کے بیٹے بہادر ہوتے ہیں اور اپنے ماں باپ کی جرأت اور بہادری ان کو ضرور ورثے میں ملتی ہے اور نہیں تو کم از کم بہادر ماں باپ کی تربیت کے ذریعے ان میں بہادری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس بچہ نے ایسی بہادر ماں کی آغوش میں پرورش پائی ہو گی وہ ضرور بہادر ہو گا۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اس بہادر ماں کے ان کلمات نے اس کی بہادری کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہو گا۔

پس اس طرح گو کابل کے احمدی پہلے ہی بہادر ہیں لیکن آپ لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں ہماری صدا کو سن کر ان کے دل کتنے بہادر ہو گئے ہوں گے۔ بے شک وہ پہلے ہی نہایت دلیر ہیں اور اپنی قربانیوں کے ساتھ اپنے ایمان اور اخلاص کا وہ ثبوت پیش کر رہے ہیں جو بے نظیر ہے۔ اور جو امتحان بھی ان پر آیا اس میں وہ پورے اترے ہیں۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ ہماری ہمدردی اور ہماری بے قراری اور ہمارا جوش اور ہمارا صدائے احتجاج بلند کرنا ان کے جوش اور ان کے اخلاص، ان کے ایثار کو ترقی نہ دے اور زیادہ سے زیادہ ان کے حوصلوں کو نہ بڑھائے۔ پس ہماری اس اظہار ہمدردی اور صدائے احتجاج سے ہمارے ان مظلوم بھائیوں کو بھی یہ ایک بہت بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور آئندہ جو فائدہ اس کا ظاہر ہو گا وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ پس یہ دوسرا فائدہ ہے جو ہمیں صدائے احتجاج کے بلند کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

تیسرا فائدہ اس کا یہ ہے کہ گو ہماری آواز براہ راست کابل پر کوئی اثر نہ کرے۔ لیکن

ہمارے ساتھ دوسری قوموں کی آواز جو ہمارے ارد گرد رہتی ہیں۔ یا دنیا کے مختلف مہذب ملکوں میں رہنے والی ہیں۔ ان کی آواز اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ ہماری جماعت کے متعلق تو حکومت کابل یہ خیال کر کے کہ یہ کمزور لوگ ہیں۔ اس مصیبت پر خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ ایک خیالی خوشی حاصل کر سکتی تھی۔ اور واقعہ میں اگر کسی مصیبت زدہ کی اپنی قوم یا اپنے رشتہ دار اس کی مصیبت پر کسی دکھ و درد، رنج اور افسوس کا اظہار نہیں کرتے۔ تو غیروں سے کیا امید کی جا سکتی ہے کہ وہ افسوس کا اظہار کریں گے۔ اسی طرح اگر ان واقعات پر ہم خاموش بیٹھے رہیں تو دوسری اقوام کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ افسوس کا اظہار کریں۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گو محض ہماری آواز کابل پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ لیکن ہمارے ساتھ غیراحمدیوں، سکھوں، عیسائیوں اور یورپ و امریکہ کی قوموں کا بھی اس وحشیانہ فعل پر اظہار نفرت و ملامت کرنا حکومت کابل کو مطمئن نہیں رہنے دے سکے گا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ خیال کریں کہ صرف احمدیوں کی محدود تعداد ہی اس کے فعل سے نفرت نہیں رکھتی بلکہ دنیا کی تمام مہذب اقوام بلکہ جو اس کے دوست اور ہم مذہب ہیں وہ بھی ان کے ان افعال کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں اسے اپنی عزت کا ضرور خیال آئے گا۔ اور حکومت کابل کے ارکان سمجھیں گے کہ اس طرح تو ہم تمام دنیا اور دوست دشمن میں بدنام ہو رہے ہیں۔ اور یہ قائدہ کی بات ہے کہ عزت کا خیال بھی بہت سے گناہوں سے انسان کو بچا لیتا ہے۔ ڈاکوؤں کی فطرت گو کتنی ہی بگڑ چکی ہوتی ہے۔ لیکن شائد ہی فی صد کوئی ایک ایسا نکلے۔ جو یہ نہ چاہتا ہو۔ کہ اس کا یہ جرم مخفی نہ رہے۔ سارے کے سارے یہی چاہیں گے کہ ان کے جرم پر پردہ پڑا رہے اور وہ ظاہر نہ ہو۔ بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں۔ کہ ڈاکو یہ معلوم کر کے کہ ان کی کارروائی مخفی نہ رہ سکے گی وہ اس جرم کے ارتکاب سے باز رہے۔ اور سو چوریوں میں سے نوے فی صد ایسی ہوں گی جو ان کے ظاہر ہو جانے کے اندیشہ سے نہیں کی گئیں۔ پس جب اظہار جرم ایک ایسی زبردست طاقت ہے کہ اس سے نوے فی صد فساد کے مواقع کو روکا جا سکتا ہے اور یہ نوے فی صد بھی میں نے کم کہا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کا اثر ہے۔ تو پھر ایسی زبردست طاقت سے ہم کیوں فائدہ نہ اٹھائیں۔ جس سے فائدہ اٹھانے کا طریق یہی ہے کہ ہم بڑے زور کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کریں۔ پس اس سے ہمیں تین فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جماعت کے ان لوگوں کے دلوں میں زندگی کی تازہ روح پیدا ہو سکتی ہے جو سست یا لاپرواہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس سے ہمارے ان مظلوم بھائیوں کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے۔ جن پر حکومت کابل

جور و جفا کر رہی ہے اور وہ بڑی بہادری سے اپنے ایمان اور اخلاص کا عملی ثبوت دے رہے ہیں۔ وہ یہ معلوم کر کے کہ ہم ان کی ہمدردی میں اپنی طاقت کے مطابق کوشش کر رہے ہیں اور ان کے دکھ کا ہم کو پورا پورا احساس ہے۔ اس طرح ان کے حوصلے ان کے جوش اور اخلاص میں زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دوسری قوموں پر بھی۔ خواہ وہ ہمارے ارد گرد رہتی ہوں یا دیگر متفرق ممالک میں۔ان پر بلکہ اس قوم کے افراد پر بھی کہ جو ہمارے سخت دشمن اور مخالف ہیں۔ اس کا اثر پڑتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ حکومت کابل کو اپنی موجودہ روش بدلنی پڑے گی۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ہماری اپنی کوئی طاقت اور حکومت نہیں جس سے ہم براہ راست اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کر سکیں۔ کیونکہ کسی ظالم حکومت کو اس کے ظلم سے کوئی دوسری حکومت ہی براہ راست روک سکتی ہے۔ اس لئے یہ تو ہماری طاقت سے باہر ہے۔ اب دوسری صورت یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی تائید اور مدد حاصل کریں۔ جنہیں طاقت حاصل ہے۔ کیونکہ کمزور کا جب اپنا کوئی بس نہیں چلتا۔ تو وہ کسی دوسرے زبردست کی مدد اور ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس دوسری صورت یہ ہے کہ ہم ان حکومتوں اور طاقتوں سے مدد لیں۔ جن کو افغان گورنمنٹ ناراض کرنا نہیں چاہتی۔ یا افغان گورنمنٹ میں انہیں ناراض کرنے کی طاقت نہیں۔ مگر اس مدد کا یہ مطلب نہیں کہ کابل کے خلاف چڑھائی کرائی جائے بلکہ یہ ہے کہ ان سے ہم یہ کہلوائیں کہ حکومت کابل کا یہ فعل اچھا نہیں اور یہ کام ان کی نگاہ میں بھی اسی طرح نفرت دلانے والا ہے۔ جس طرح کہ ہماری نگاہ میں ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے میں نے دنیا کی مختلف گورنمنٹوں کو کابل کی اس وحشیانہ اور غیر شریفانہ حرکت کی طرف توجہ دلائی اور وہ توجہ کر رہی ہیں۔ مولوی نعمت اللہ خان صاحب کے واقعہ کے متعلق تو وہ یہ بھی خیال کر سکتی تھیں کہ ممکن ہے یہ واقعہ کسی سیاسی مجبوری کی وجہ سے گورنمنٹ کابل نے کیا ہو۔ اور شائد اس ایک واقعہ کے بعد پھر کوئی ایسا واقعہ نہ ہو۔ لیکن اس کے بعد معاً دوسرا واقعہ بھی ہو گیا۔ تو ان کو اس طرف بہت زیادہ توجہ پیدا ہو گئی ہے۔ بعض گورنمنٹوں نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ وہ اس معاملہ میں پوری توجہ سے کام لیں گی۔ اور سارے یورپ کو اس طرف توجہ دلائیں گی۔ چنانچہ بعض نے تو یقینی طور پر اس کے متعلق کارروائی شروع بھی کر دی ہے۔ اور بعض کے متعلق یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن معتبر ذرائع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اس کے متعلق اپنی کارروائی شروع کر دی ہے۔ اور ان کا اس طرف متوجہ ہونا ایسا نہیں کہ

حکومت کابل پر کوئی اثر نہ کرے۔ ہماری طرف سے وہ اپیل جو لیگ آف نیشنز یعنی مجلس بین الاقوام میں کی گئی اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جب وہ کاغذات مجلس کے میز پر رکھے گئے۔ تو انگریزوں کے علاوہ دوسری حکومتوں کے نمائندوں نے بھی ان کاغذات کو پڑھا۔ اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں مناسب کارروائی کرنے کے لئے اپنا قدم اٹھایا ہے۔ مگر یہ کام ایک دن کا نہیں کہ جھٹ پٹ اس کے نتائج نکل آئیں۔ اور نہ یہ صرف تاروں کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم نے تاروں پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ وفد کے طور پر بھی ہمارے آدمی ان حکومتوں کے ذمہ دار لوگوں سے ملے اور ان سے ملاقاتیں کی ہیں۔ اور وہ ذمہ دار لوگ جن سے ہمارے وفد ملے ہیں یورپ اور انگلستان کے بڑے بڑے رئیس اور وزراء میں سے ہیں۔ ان سے براہ راست زبانی تمام حالات اور معاملات واضح طور پر بیان کئے ہیں۔ اور انہوں نے ہم سے وعدے کئے ہیں کہ وہ کابل کی ان حرکات پر خاموشی اختیار نہیں کریں گے۔ لیکن گورنمنٹیں چونکہ سیاسی معاملات کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتیں اس لئے جہاں انہوں نے ہم سے وعدے کئے ہیں وہاں انہوں نے بھی ہم سے یہ وعدے لئے ہیں کہ ہماری گفتگو کو قطعاً کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ کیونکہ ان دنوں خود ان حکومتوں کو بہت سی سیاسی مجبوریاں اور مشکلات کا سامنا ہے۔ ایسی حالت میں ان کی ان کوششوں کو ظاہر کرنا بجائے اس کے کہ ان کو ہم سے ہمدردی پیدا ہو اور وہ ہمارے لئے کوئی مفید کام کریں وہ ہم سے بدظن ہو جائیں گے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ہماری خاطر وہ اپنے ملک کے فوائد کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ اور ان کے خیالات کے اظہار سے ان کے اپنے ملکی فوائد کو نقصان کا سخت خطرہ ہے۔ ایسی حالت میں پھر ان کو ہم سے کس طرح ہمدردی رہ سکتی ہے اور ایسی حالت میں تو ان کے اپنے تین آدمی بھی اگر کسی حکومت میں قتل کر دیئے جائیں اور ان کی تائید میں ان کا تمام ملک برباد ہوتا ہو تو وہ ملک کی خاطر اپنے آدمیوں کے مارے جانے کی بھی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ پس ان کی کوششوں کو ظاہر کرنا نہ صرف یہ کہ ان کے ملکی فوائد میں خطرہ پیدا کرنا ہے بلکہ ہمارا بھی اس میں سخت نقصان ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں ہم ان کی مدد اور ہمدردی حاصل نہیں کر سکتے۔

اس وقت دنیا کی سیاسی حالت یہ ہے کہ دو قسم کی حکومتیں قائم ہیں۔ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو پرانا طریق اور پرانا نظام حکومت پسند کرتے ہیں اور وہ اس کے حامی ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو پرانے طریق حکومت اور نظام کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کے سخت مخالف ہیں۔ جیسا کہ روس میں بولشویک تحریک ہے۔

ان کے نزدیک جائداد پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ تمام زمین حکومت کی ہے۔ اور تمام تجارت کی مالک حکومت ہے۔ مذہب کا کسی قسم کا کوئی دخل وہ حکومت میں جائز نہیں سمجھتے۔ تمام بچے حکومت کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں۔ جس کو چاہیں وہ ڈاکٹر بنائیں اور جس کو چاہیں مزدور بنائیں اور جس کو جس ملک میں چاہیں رکھیں۔ اسی طرح کسی زمیندار کا یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی زمین میں جب کہ اس کی زمین عمدہ گیہوں نہیں پیدا کر سکتی۔ وہ گیہوں بوئے۔ بلکہ گورنمنٹ جو کچھ بونے کے لئے کہے گی۔ وہی بو سکے گا۔ اور پھر جو پیداوار ہو اس کا مالک زمیندار نہیں ہو گا بلکہ اسے حکومت کے سپرد کرنی پڑے گی۔ پھر حکومت اس کو تمام ملک میں تقسیم کرے گی۔ سوائے اس کے کہ زمیندار کو ضرورت کے مطابق پیداوار میں سے رکھنے کی اجازت ہو۔ باقی پر اس کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا۔ یہ نیا دور حکومت روس میں جاری ہوا لیکن دنیا کی دوسری حکومتیں اس تحریک سے خطرہ محسوس کرتی ہیں۔ اس لئے وہ ایسی تدابیر اور کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ ان کا ملک بولشویک خیالات سے محفوظ رہے۔

چونکہ افغانستان روس اور انگریز کے ملک کے درمیان واقعہ ہے۔ اس لئے وہ بھی کھلم کھلا کوئی ایسا طریق اختیار نہیں کر سکتے۔ جس سے گورنمنٹ کابل اور ان کے درمیان کشیدگی پیدا ہو کیونکہ ان کو خطرہ ہے کہ پھر افغان روس سے مل جائیں گے۔ اسی طرح فرانس اور اٹلی کو بھی یہ خطرہ ہے۔ آج سے دس برس پہلے نہ فرانس پر کابل کا کوئی اثر تھا۔ نہ اٹلی پر۔ یہ ایک معمولی ریاست سمجھی جاتی تھی۔ لیکن موجودہ حالات کے ماتحت ان کی نگاہ میں افغانستان کا ان کے ممالک کے نفع و نقصان سے بہت کچھ تعلق ہے۔ اس کی وجہ سے سب کی نگاہ میں اس وقت وہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اگر افغانستان سے انکا مقابلہ تلوار اور بندوق سے ہوتا تو ان کو کچھ فکر نہ ہوتی۔ لیکن ان کو مشکل یہ ہے کہ یہ جنگ تلوار اور بارود سے نہیں بلکہ خیالات کی جنگ ہے۔ اگر افغانستان روس سے مل جائے تو بولشویک خیالات ان کے ممالک میں اثر کر کے پھر ہندوستان میں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ اس لئے ان مجبوریوں کی بناء پر وہ افغانستان سے صلح رکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے ساتھ شامل نہ ہو جاوے۔ پس جس طرح اس وقت انگریزوں کو افغانستان کے روس کے ساتھ مل جانے سے اپنے ملک کا خطرہ ہے۔ اسی طرح اٹلی اور فرانس کو بھی اس کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ ان خیالات کی اشاعت میں ان کے ملک کی بھی تباہی اور بربادی ہے۔ اس لئے سب حکومتیں اس مسئلہ میں احتیاط سے قدم رکھتی ہیں۔

تیسری صورت اپنے ان مظلوم بھائیوں کی مدد کی یہ ہے کہ ہم خود امیر صاحب کابل کو بھی اور ان کی ہم خیال رعایا کو بھی اس طرف توجہ دلائیں۔ اس کے متعلق بھی ہماری طرف سے کوشش جاری ہے۔ اس کے متعلق میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جن خیالات کی بناء پر اس ملک میں ہمارے مظلوم بھائیوں پر یہ مصیبت آئی ہے ان خیالات کا مقابلہ کیا جائے۔ یعنی ان خیالات کی بڑھتی ہوئی رو کو روکا جائے۔ تا کہ اس ملک میں اتنے احمدی ہو جائیں کہ ان کو مارنا گویا ملک کو تباہ کر دینے کے برابر ہو۔ ان کی اتنی کثرت ہو جائے کہ اگر کسی جگہ ان پر ظلم ہو تو دوسرے ان کی ہمدردی کرنے کے لئے کھڑے ہو سکیں۔ اور ظالموں کو آپس کی لڑائی کے خوف سے یہ موقع نہ ملے کہ وہ احمدیوں پر ظلم کر سکیں۔ اس کی بھی تجویز کی گئی ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی مدد کریں۔ جن کو ان مظالم کی وجہ سے نقصان پہنچا ہے۔ خواہ وہ ان شہیدوں کے رشتہ دار ہوں خواہ دوسرے۔ یہ بھی بہت نازک سکیم ہے۔ کیونکہ اگر ذرا بھی مدد کا پتہ لگ گیا یا وہ احمدی جن کی ہم مدد کریں ظاہر ہو جائیں۔ تو خطرہ ہے کہ نہ صرف ہم ان کی مدد ہی نہ کر سکیں گے بلکہ ان کی جانیں بھی خطرہ میں ڈال دیں گے۔ اس لئے ہمیں ایسی تدابیر اختیار کرنی ہوں گی کہ جو مدد ہم ان کی کریں وہ خطرات کا باعث نہ ہو۔ مولوی نعمت اللہ خان صاحب کے والد کی تو کچھ مدد کی بھی گئی ہے اور بقیہ شہیدوں کے رشتہ داروں کی مدد کی بھی تجویز ہے جو کہ کسی مخفی طریق سے ہی کی جا سکتی ہے۔

چھٹی صورت اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کی یہ ہے کہ ان شہداء کی نعشیں حاصل کر کے یہاں یا وہاں ان کو باقاعدہ دفن کیا جائے۔ یہ بھی ہمدردی کا ایک پہلو ہے۔ اور اس کے متعلق ابھی حکومت کابل سے ہماری خط و کتابت ہو رہی ہے۔ اگر انہوں نے ان شہیدوں کے وہاں یا یہاں دفن کرنے کی اجازت دیدی تو ہم ان کے ممنون ہوں گے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہمیں کوئی اور صورت اختیار کرنی پڑے گی جس سے ہم اپنے شہداء کی نعشیں حاصل کر کے دفن کر سکیں۔ لیکن ابھی کسی ایسی تجویز پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ابھی ہماری اور ان کی باقاعدہ خط و کتابت ہو رہی ہے۔ اگر انہوں نے اس بات کو منظور نہ کیا تو کسی اور تجویز پر بعد میں عمل کرنے کی تیاری کی جائے گی۔ پس اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد میں جو کچھ ہم سے ہو سکتا تھا وہ ہم نے کیا۔ اور موجودہ حالات کے ماتحت جو ہم کر سکتے ہیں وہ کیا جا رہا ہے۔ مگر اس وقت جماعت جو سب سے بڑی ہمدردی اپنے

مظلوم بھائیوں سے کر سکتی ہے وہ یہی ہے کہ وہ بندگان خدا جنہیں وہاں دکھ دیا جاتا ہے۔ اور ظالموں کے ظلم ہروقت ان کو پامال کر رہے ہیں۔ انہیں ہروقت دعاؤں میں یاد رکھے۔ اور اگر کوئی وقت ایسا آئے۔ جب جماعت کے ان افراد کو جن کو مناسب سمجھ کر کسی خدمت کے لئے منتخب کیا جائے تو وہ اس کے لئے تیار رہیں۔ جماعت کے اخلاص اور ایثار کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہیں گے۔ اور کسی طرح بھی اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے قربانیوں سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ اسی حد تک میں اس مضمون کو علی الاعلان بیان کر سکتا تھا۔ جس کے بیان کرنے سے اصل غرض کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ تمام احباب کو اس امر کی توفیق عطا فرماوے کہ جو بھی خدمت ان کے لائق ہو اس کے لئے وہ تیار رہیں۔

(الفضل ۴ اپریل ۱۹۲۵ء)

۱۔ حضرت خنساء جو اعلیٰ پایہ کی شاعرہ بھی تھیں۔

۲۔ طبری جزو ثالث صفحہ ۵۴۴